

## فہم کن فہم کن میری

”فخر! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے یہاں کے لوگ از کم وہاں بجو تو تمہیں ہم یہاں کتنے اکیلے پڑ جائیں گے جانے کیسے ہوں اس سے بہتر تو ہم اہور میں ہی رہتے کم یہاں ہم کسی کو جانتے بھی تو نہیں ہیں۔“ وہ فکرمندی۔



”باہلی! حوصلے سے کام لو اگر تم نے ہمت بھاری دی تو سوچو میں کیسے خود کو تمہیں اور علیش کو سنبھالوں گا والدین کے سائے سے محروم ہو کر جینا بہت ٹھن ہوتا ہے باہلی اور ہمیں ہمت ہارنے کے بجائے ایک دوسرے کا سپارا بننا ہے کسی موڑ پر ہمت نہیں ہارنی“ فرخ (فخر) دگرنگی سے کہہ رہا تھا اور اس کی آنکھیں باہلی کی طرح نم تھیں۔

”فخر! بابا نے ایسا کیوں کیا وہ تو ہمیں ایک پل کے لئے بھی اکیلا نہیں چھوڑتے تھے اور اب ہم سے اتنی دور چلے گئے ہیں کہ ہم چاہ کر بھی انہیں اپنے درمیان نہیں لاسکتے۔“ اس کے آنسو گالوں کو بھگونے لگے تھے۔

”ہاں باہلی! ہمارے محافظ ابدی نیند سو گئے ہیں اب ہمیں اپنا سائبان خود بننا ہے وہ مہربان ہاتھ جب ہمارے سروں پر ٹھہرتا تھا تو ہمیں ہر درد بھول جاتا تھا خوف ہماری آنکھوں کی دہلیز سے روٹھ کر ہمیں بے سائبانی سے بجا لیتا تھا مگر جب وہ مشفق ہستی ہی نہیں رہی تو ہم کیا کریں باہلی! وہ ہاتھ بازار میں کہیں نہیں ملتا۔“ وہ روتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں مجھے ماما کے بغیر نیند نہیں آتی اور مجھے یہاں نہیں رہنا فخر! واپس اپنے گھر چلو وہاں کم از کم ماما، پاپا کی یادیں تھیں یہاں ہم اکیلے





☆ ☆ ☆ ☆

”او کے! اب تم لوگ آنا مہاسم دونوں سے مل کر  
ت خوش ہوں گی اور تم لوگ میری کمپنی میں بور تو نہیں  
نیں، ویسے تو میں کم ہی بولتی ہوں مگر زبان کو لگتا ہے کہ

☆ ☆ ☆ ☆

”مسٹر فرخ! کچھ ہی دنوں میں میرا کلوٹا میٹا لندن سے لوٹ کر آ رہا ہے اور اس کے آنے کے بعد آپ اسی کے انڈر میں کام کر س گے اور مجھے امید ہے آپ اپنی

☆.....☆.....☆.....☆

”آئی ایم ایکسٹریمیلی سوری سر!“ وہ مژمندہ ہوا تھا۔  
 ”نوا ایکسکیز مژمنفرخ! میں آپ کو فرسٹ ڈے ہی بتا  
 چکا ہوں کہ مجھے ایکسکیز سے سخت نفرت ہے۔ جب آپ  
 کوئی بھی کام کر س مکمل ایمانداری اور فل آئینشن کے



ساتھ کریں یہ حیلہ بھانے کوئی معنی نہیں رکھتے اور یہ میری آپ کو لاسٹ وارننگ ہے اور میں اپنی بات دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔“ تنویر شاہ نے فائل کھول لی تھی۔

”اسکاٹی انڈسٹریز کے اوپر سے آپ کی بات ہوئی؟“

”یہیں سر! اور کچھ ہی دنوں میں یہ ذیل فائل ہو جائے گی۔“

باہر پھینک کر آئے، اگر باطلی کو کچھ ہو جاتا تو اور زرقی سے بھی نہیں ہوتا کہ اس کتے کو باندھ کر ہی رکھے۔“ سارا بات جان کر مسز فیصل، زقیان کو ڈانٹنے لگیں۔

میں تو کچھ گڑبڑ ہے اور اس کی آنکھیں ابلا لگتا ہے کہ  
میں نے یہ آنکھیں پہلے کبھی دیکھی ہیں۔ مجھے اس سے  
کبھی اپنا نیت محسوس ہوتی ہے جیسے میرا اس سے کوئی  
گہرا رشتہ ہے، جبکہ میں نے مسٹر فرخ کو ایک ماہ قبل ہی  
دیکھا ہے۔' تنویر شاہ سیٹ سے ٹیک لگاتے گہری سوچ  
میں ڈوبا ہوا تھا۔

ہوئی) اور ان کے شوہر نے قبضہ چھایا ہوا ہے۔‘ زقیان بابوں میں برش کر کے گلے میں ڈالے پٹکے اور ڈریسنگ کو دیکھتا باہر نکل گیا۔ محفل اپنے زوروں پر تھی، لڑکے لڑکیاں ڈانس کر رہے تھے، اور زقیان کی نگاہیں اس کے چہرے کے نزدیک ہی پھنکیں رہی تھیں اسی وجہ سے بطریقہ کچھ نشہ و فریاد ہوئی تھی اور فتنش ختم ہونے سے پہلے ہی زرقین کے بہت روکنے کے باوجود گھر چلی گئی تھی۔



122



مانڈ نہ کریں مسٹر فرخ تو مجھے میرے گھر تک ڈراپ کر دیں گے۔

”کک..... کیوں نہیں سر! آئیے پلیز۔“ فرخ نے فرخٹ ڈور کھول دیا تو وہ مسکرا کر بیٹھ گیا۔

”مسٹر فرخ! آپ زقیان کو کب سے جانتے ہو؟“

”لاہور سے جب یہاں شفٹ ہوئے تو پہلی ملاقات زقیان کی فیملی سے ہی ہوئی تھی۔“ فرخ نے موڑ کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے تنویل شاہ کو بتایا۔

”یو سسٹمز ویری لکی زقیان ایک آئیڈیل انسان ہے۔ اس کے لئے میں دوست کے لئے فخر ساتھا۔“

”آپ کی آنکھیں میری آنی شرمین سے بہت ملتی ہیں آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں تو آج آپ کے پیچھے ہی پڑ گیا ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ کی اور میری آنی کی آئینہ جیوت آنکھیں طور پر بے حد مشابہت ہے۔“

وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔

”کوئی بات نہیں سر! اکثر لوگ بغیر کسی رشتے کے بھی ایک جیسے ہوتے ہیں اور آپ کو حیرت ہوگی میری مام کا نام بھی شرمین تھا اور میری آنکھیں اور ہاتھ بالکل انہی کے جیسے ہیں۔“ فرخ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف کیا تھا اور یہ اس سے بے اختیار ہی میں ہوا تھا۔ تنویل شاہ کی نگاہ کے حصار میں اس کی دائیں ہتھیلی پر جگہ لگا تیا سیاہ تل آیا تھا اور وہ حیرت کی انتہا کو چھونے لگا کیونکہ ایسا ہی تل اس کی مام کے ہاتھ میں بھی تھا اور ان کے مطابق ان کی چھوٹی بہن کی ہتھیلی پر بھی تھا۔

”کہیں فرخ کی مام ہی تو میری آنی نہیں ہیں۔“ دل میں ایک خیال آیا تھا۔

”مگر ان کی مام کی تو ڈیڑھ تھوہو چکی ہے، اونو.....“

”آپ نے مجھ سے کچھ کہا سر!“

”نہیں۔“

”آپ کے پیرنٹس کی ڈیڑھ تھوہو کیسے ہوئی تھی؟“

”روڈ ایکسیڈنٹ میں۔“

”آپ کے رشتہ دار آئی مین نکاح کی تقریب میں آپ کے نانا اور خالہ وغیرہ نہیں تھیں۔“

”میرے فادر اکلوتے تھے اور میری مام کے رشتے داروں کو میں نہیں جانتا۔“ میرے پیرنٹس کی شادی محبت کی تھی میری مدر کے فادر نے انہیں (اس جرم کی سزا دیے کے لئے) اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا تھا، وہ لوگ کیسے ہیں کہاں رہتے ہیں مجھے کچھ نہیں معلوم اتنا سب کچھ بھی صرف مجھے معلوم ہے۔ ایک دن میں نے مام کو روتے دیکھ کر بابا جان سے پوچھا تھا۔ تو وہ بھی صرف اتنا ہی بتا سکے۔ کیونکہ مام نے انہیں اپنی قسم دی تھی اور میرے بابا جان مام سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور یہ ان کی بچی محبت ہی تھی کہ وہ دونوں ایک ساتھ ہی دنیا سے گزر گئے یہ بھی نہیں سوچا کہ ہم ان کے بعد کیا کریں گے کیسے رہیں گے۔ اس کی بدلتی آواز اور ادائیگی لفظ پر سنجیدگی سے اس کی باتیں سنتا تنویل شاہ نے اسے دیکھا، ایک ہاتھ سے ڈرائیونگ کرتا دوسرے سے آنسو صاف کرتا فرخ اپنی کئی بات سے بے خبر ہی تھا۔

”آئی ایم سوری مسٹر فرخ! میں نے آپ کو ہرٹ کر دیا۔“

”اٹس اوکے سر! یہ دکھ تو ایسا ہے کہ زندگی کے آخری پل تک ہمیں تڑپا تارے گا اور ہم تڑپتے رہیں گے۔“

”لفٹ دینے کا بہت شکریہ دینے ہم جتنی دیر میں پہنچے ہیں اتنی دیر میں انسان کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔“ تنویل شاہ نے مسکرا کر کہا۔ تو وہ شرمندہ ہو کر ایکسکیوز کرنے لگا۔

”آ جاؤ یار! مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ کوئی میرے گھر تک آئے اور بغیر چائے پیسے دروازے سے ہی لوٹ جائے رحمت بی بی (ملازمہ) دو کپ اچھی سی چائے بنادیں ساتھ ہی کچھ ریفریشمنٹ کے لئے بھی لے آئیے گا میں اوپر اپنے کمرے میں ہوں۔ معافی چاہتا ہوں یار! ڈرائنگ روم میں میری مام کی فریڈ زیمٹی ہیں اور میرے جتنے بھی دوست آتے ہیں ان کا ڈیرہ ڈائریکٹ میرے روم میں ہوتا ہے تم بلیکس ہو کر بیٹھو جب تک رحمت بی بی چائے لاتی ہیں میں شاور لے لوں۔“ تنویل شاہ اس سے

بھوٹ بولتا (کیونکہ زمین گھبر نہیں تھیں) ٹاول اٹھا کر واش روم میں گھس گیا اور 10 منٹ بعد ہی اس کی واپسی ہوئی تھی کیونکہ اسے ڈرتا کہیں وہ چلا نہ جائے جبکہ آج وہ پشیدہ راز سے پردہ اٹھا دینا چاہتا تھا، اپنے شک کو یقین میں بدل دینا چاہتا تھا کہ وہ لڑکا نہیں بلکہ..... فرخ نے اسے دیکھ کر نگاہ چرائی تھی بلیوٹاؤزر میں بغیر شرٹ کے وہ اپنے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کر رہا تھا رحمت بی بی چائے رکھنے چلی گئیں تھیں۔

”چائے لے لو فرخ! ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ تنویل شاہ نے شرٹ پہنتے ہوئے کہا اور پھر خود ہی (شرٹ کے اوپر) بن کھلے چھوڑ کر اس کی جانب کپ بڑھایا تھا۔

”میں اس کے کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی فرخ نے جلدی کر کے چائے ختم کی اور خالی کپ رکھتا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”مات لے کو قدم بڑھائے ہی تھے کہ گیدم ہی کھڑکی میں کھڑا ہوا تنویل شاہ فرخ گھبرا کر پیچھے ہوا تو اس کو گرنے سے روکنے کے لئے بازو سے تھام لیا۔ تنویل شاہ نے فرخ کی نظر کی خوبصورت گرائے آنکھوں میں خوف کی لہریں ہلکے سے لے رہی تھی۔ ایک جھپٹے سے تنویل شاہ اس کا بازو چھوڑا اور ایک رنٹائے وار تھپڑ اس کے منہ پر لگا۔ ایسی کوئی اسے امید نہیں تھی۔ وہ لڑکھڑا کر کارپٹ پر اٹھا اور جب وہ حیرت سے سیدھا ہوا تو بہت کچھ کہنے لگا۔

”کیا تھا جس بات پر کافی عرصے سے پردہ ڈالا جا رہا تھا اس کے سامنے آگئی تھی۔“

فرخ کے کھڑے ہوتے ہی تنویل شاہ نے جھک کر کہا اٹھو اور اس کی نگاہوں کے سامنے لہرایا فرخ نے رحمت سے تنویل شاہ کے ہاتھ میں پکڑی معنوی داڑھی دیکھ کر کسی اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

”واٹ اڈز مسٹر فرخ!“ اس نے مسٹر فرخ بہت ادا کر کہا یہی قسم سے ادا کیا تھا۔

”سر یہ..... میں۔“ زبان لڑکھڑا کر رہ گئی تھی

”تنویل شاہ نے گھورتے ہوئے اسے دیکھا اور ایک بار پھر

اپنے آپ کو روک نہیں پایا۔

”چٹان۔“ تنویل شاہ نے جنونی انداز میں کارپٹ پر بیٹھی سسکیاں لیتی اس دھوکے باز کو اپنے مقابل کھڑا کیا اور اس کے چہرے کے گرد کالی گٹائیں چھائیں (دگ گر چکی تھی) ایک نظر اس پر ڈال کر تنویل شاہ نے اس کا بازو چھوڑا اور غصے سے دھاڑا۔

”کیوں جھوٹ بولا تمہیں شرم نہیں آئی سب کو لڑکا بن کر دھوکا دیتے ہوئے سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے جواب دو؟“

”میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا۔“ نسوانی آواز ابھری۔

”تم نے کسی کو دھوکا نہیں دیا اور کیسا ہوتا ہے دھوکا جھوٹی لڑکی اب بند بھی کرو جھوٹ بولنا بہت دے چکیں تم لڑکا بن کر ہمیں دھوکا اس سے پہلے میں غصے میں کچھ کر بیٹھوں صاف صاف بتاؤ۔“ کیوں تم نے لڑکی ہوتے ہوئے بحیثیت ایک مرد کے میرے آنس میں جا ب کی؟“

”میری مرضی میں کچھ بھی کروں؟ آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے جواب طلبی کرنے والے؟“ جواباً وہ بھی تنویل شاہ سے کہیں زیادہ غصے میں بولی تھی۔

”تم شاید ایسے نہیں مانو گی مجھے تمہاری اصلیت جاننے کے لئے یقیناً پولیس کو بلانا پڑے گا اور تم تو زقیان جیسے اچھے انسان کو بھی بے وقوف بناد رہی ہو۔“

”میں نے کسی کو بیوقوف نہیں بنایا اور نہ ہی میں کسی کو دھوکا دے رہی ہوں، مسز فیصل میرے بارے میں سب جانتی ہیں ان سے رشتہ جوڑنے سے پہلے میں نے حقیقت ان سے چھپائی نہیں تھی۔“ اس نے روتے ہوئے اپنے لمبے بال سیٹھے۔

”اور آپ یہی جانتا چاہتے ہیں نا میں نے خود کو کیوں بدلا تو صرف آپ کی اس بے رحم دنیا کی وجہ سے میں نے ایسا کیا خود کو اور اپنی بہنوں کو دوسروں کی ہوس بھری نگاہوں سے محفوظ رکھنے کے لئے میں نے ایسا کیا اور میں ایسا نہیں کرتی تو کیا کرتی مجھے تحفظ کا ایک یہی طریقہ نظر



آ رہا تھا۔ جب ایک حادثے میں جان سے پیارے عزت کے محافظ ہمارے والدین ہم سے چھن گئے تو ہم ہمیں چھت کے ہوتے ہوئے بھی بے سببان ہو گئے۔ کیونکہ سہارا دیواریں نہیں ان میں بسنے والوں کا پیار اور اعتبار فراہم کرتا ہے اور ہم سے ہمارا ہی پیار چھن گیا تھا وہ حملہ جہاں ہم نے آنکھیں کھولیں چھوٹے سے بڑی ہوئیں تھیں وہاں ہم دو لوگوں کے نہ ہونے سے بہت غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ باپ کی زندگی تک کسی کی ہمت نہیں تھی ہم پر غلط نگاہ ڈالنے کی مگر باپ کے سائے سے کیا محروم ہوئے ہم دوسروں کے لئے مفت کا مال بن گئے روز دروازے پر کوئی مچلا آہٹ کر کے چلا جاتا تو کبھی وقفے وقفے سے بچتا دروازہ کھٹکھٹ کی آوازیں اور مرادخان تو جیسے ہمارے پیچھے ہی پڑ گیا تھا وہ ہمارے محلے کا سب سے بد معاش لڑکا تھا اس نے بطریقہ سے شادی کا کہا جو نے اسے منع کر دیا اور ہم سب کو (بیتوں بہنوں) اپنے گھر لے گئے۔ بھوکے شادی دو ماہ قبل ہی ہوئی تھی اویس بھائی تو ہمیں پہلے بھی لے جانا چاہتے تھے مگر ان کی اسی اتنے لوگوں کا بوجھ اٹھانے پر راضی نہیں تھیں۔ ہمارا جانا ان کو پسند نہیں آیا تھا اور جب مرادخان نے دھمکیوں کا رخ ان کے گھر کی طرف موڑا تو اویس بھائی نے مجبور ہو کر بچو سے کہا کہ وہ بطریقہ کی شادی مرادخان سے کر دیں، کیونکہ وہ سالیوں کی خاطر اپنے گھر کی عزت داؤ پر نہیں لگا سکتے تھے۔ بطریقہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا وہ اس قابل تھا ہی نہیں کہ کوئی شریف لڑکی عمر بھر کا ناتا اس سے جوڑتی اور یہ ساری پچویشن مجھے خوفزدہ کر رہی تھی میں بہت رورو کر بابا کو بلارہی تھی مگر وہ میری بات نہیں سن رہے تھے۔ میرے بابا مجھے اپنا بیٹا اپنا فرخ مانتے تھے۔ اور جب میں پیدا ہوئی تھی انہیں امید تھی کہ بیٹا ہوگا مگر بیٹی کو دیکھ کر میرے بابا نے مجھے دھتکارا نہیں تھا۔ مجھے اپنے سینے سے لگا کر کہا تھا میرا بیٹا ہے، میرا فرخ ہے اور بابا مجھے فرخ نہیں فرخ کہہ کر بلاتے تھے میں نے ہمیشہ اکو بکیشن میں پڑھا تھا میری دوستی لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں سے

زیادہ تھی۔ میں نے کبھی لڑکیوں والے کپڑے نہیں پہنے تھے میرا انداز لڑکوں والا تھا مجھے دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور مام ہوتی رہتی تھیں اور میرے بال انہیں بہت عزیز تھے اور بابا کو کبھی جسمی میں نے نہیں کٹوائے تھے اور بس یہی ایک بات مجھ میں لڑکیوں والی تھی جبکہ میں بولی بھی ایسے ہی تھی جیسے لڑکے بولتے ہیں نہیں کھاؤں وہاں جاؤں گا وغیرہ۔ اور جب مرادخان کی دھمکیاں زور پکڑنے لگیں تو میرے ذہن میں آیا کیوں نہیں واقعی بابا کا بیٹا ان کا فرخ بن جاؤں اور پھر میں نے اپنی سوچ پر عمل کرنے کے لئے بچو اور بطریقہ کی مخالفت کے باوجود اپنا گھر اونے پونے داموں میں بیچا اور بچو بابا نے بینک میں رکھی تھی وہ ملا کر کراچی میں گھر لے لیا۔ اور مرادخان کو دھوکا دینے کے لئے شادی کی تاریخ طے کر دی تاکہ وہ شادی کی تیاریوں میں مگن ہو کر ہم پر نگاہ رکھنا چھوڑ دے اور ہم بظاہر شادی کی تیاریوں میں لگ بگ گئے تھے مگر ہم کچھ ضروری سامان لے کر باقی تمام فرنیچر وغیرہ چھوڑ کر کراچی شفٹ ہو گئے۔ میرا نام ایسا ہے جسے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی علیش اور باپلی مجھے بابا کی طرح فرخ ہی کہتے تھے۔ مام اور بچو فری کہتی تھیں اور لڑکوں کے ساتھ رہ کر ان کے انداز تو تھوڑے بہت مجھے آتے ہی تھے بس میں نے اپنے ڈاکو شنس میں ”فی میل“ میں سے ”فی“ کٹوا کر ”میل“ رہنے دیا اور کراچی میں شفٹ ہونے کے بعد خوش قسمتی سے پڑوس اچھا لگ گیا اور فرسٹ انڈر پوئیں ہی آپ کے آفس میں جاب بھی مل گئی۔ میں جانتی ہوں سر میں نے آپ سب سے جھوٹ بولا۔ مگر اپنی صنف بدل کر دھوکا دیتی رہی تو صرف اپنی معصوم بہنوں کو بچانے کے لئے یہ دنیا مردوں کی ہے اس معاشرے پر مرد کی اجارہ داری ہے اور میں نے اپنے تحفظ کے لئے یہ سب کیا تو مجھے کوئی شرمندگی یا انوس نہیں ہے۔“ فرخ تھک کر چپ ہو گئی تھی تو خیل شاہ نے گلاس اس کی طرف بڑھایا تو وہ اپنے آنسو صاف کر کے خاموشی سے پانی پینے لگی اور خیل گلاس واپس اسے پکڑا دیا۔

”تم دوسروں کو سہارا دیتے دیتے خود کو کیوں بھول گئیں۔“

”وہ دوسرے نہیں ہیں سر! وہ میری بہنیں ہیں ان سے میرا خون کا رشتہ ہے، ہم نے ہر دکھ سکھ ساتھ جھیلا ہے اور اگر میری بہنوں کو سہارے کی ضرورت تھی تو مجھے بھی تو تھی۔“

”مجھے اس بات سے انکار نہیں ہے مگر تمہارے اس ڈرائے کی وجہ سے صرف تمہاری بہنیں محفوظ ہوئی تھیں تمہیں اس نازک مسئلہ کا ڈھنگ سے ادراک ہی نہیں ہے کہ تم نے یہ قدم اٹھا کر کتنی بڑی غلطی کی تھی اپنے لئے کائناتوں بھری راہ گزر چن کر تم نے اپنی کو سہارا فراہم کر دیا اگر کسی کو شک ہو جاتا تو کوئی بھی تمہاری معصومیت سے فائدہ اٹھا سکتا تھا اور ضروری تو نہیں تھا کہ تم لڑکا ہی بنیں اس معاشرے میں کتنی ہی لڑکیاں باپ کے سائے سے محروم ہو کر بھی جیتی ہیں اس طرح کی نادانی کر کے اپنی عزت پھیلنے پر لے نہیں پھرتیں اور تمہیں لگتا ہے کہ تم کبھی کسی کو شک نہیں ہوا مگر جب مجھے شک ہو سکتا ہے تو کسی اور کو کیوں نہیں؟ کیونکہ تم دنیا کے سائے کچھ بھی بن کر کیوں نہ آ جاؤ اندر سے تو وہی رہو گی جو ہو“ درد مند دل رکھنے والی نازک سی ایک لڑکی، کسی کی چوٹ پر تپ اٹھنے والی۔ اور مجھے تم کو پہلے دن ہی دیکھ کر عجیب سا لگا تھا مگر جب تیسرے دن غصے میں آ کر میں نے کوئی فائل ٹیبل پر پٹنی تھی اور ٹیبل پر رکھا گلاس اور گلڈان کرنے کی وجہ سے ٹیبل کا شیشہ چھنا کے کی آواز کے ساتھ ٹوٹا تھا تو تم لپک کر میرے روم میں آئی تھیں فائل کو بھینکنے سے بچانے کی خاطر میں اپنا ہاتھ زخمی کر بیٹھا تھا اور تم باقاعدہ رورہی تھیں میں خود ایک مرد ہوں خوشی مجھے ہسانی ہے تو دکھ مجھے رلاتے بھی ہیں، لیکن اتنی معمولی سی بات اور معمولی سے زخم پر کسی مرد کی آنکھیں بہنا وہ بھی ایک ایسے انسان کے لئے جس سے آپ کا کوئی رشتہ نہ ہو جس سے ملے فقط 48 گھنٹے ہوئے ہوں بہت بے معنی اور ناممکنات میں سے ہے اور یہ ناممکن بات اس دن ہوئی تو مجھے شک ہونا لازمی تھا اور

جب بھی میں تمہیں ڈانٹتا تو تمہاری آنکھیں جھلملانے لگتیں تھیں اور بعض اوقات تم خود کو بہت بہادر ثابت کرنے کی خاطر بالکل ہی کمزور پڑ جاتی تھیں تمہاری یہ کمزوری آنکھوں سے پھلکنے کو بے تاب ہوتی تھی۔ اتنی لمبی نصیحت اور وضاحت نے فرخ کو شرمندہ کر دیا وہ انگلیاں چٹختا ہوا آنسو بہانے لگی۔ تو خیل شاہ خاموشی سے اسے روتا دیکھتا رہا پھر اپنی وارڈ روب کی جانب بڑھ گیا اور ایک فریم اس کی جانب بڑھایا جسے اس نے بہت حیرت سے تھام لیا تھا۔

”یہ تو میری مام کی تصویر ہے؟ آپ کے پاس کیسے آئی اور یہ نام سے ملتی ہوئیں کون ہیں؟“ فرخ اپنی مام کی تصویر پر پیار سے انگلیاں پھیرتی ششدر سی تھی۔

”دوسری تصویر میری مام اور تمہاری آئی کی ہے۔“ اس نے حیرت سے ہنسی پلکیں اٹھائی تھیں۔

”مام! آئی سے بہت محبت کرتی ہیں وہ اکثر آئی کو یاد کر کے روتی ہیں جب مجھے حقیقت پتا چلتی تو میں نے مام سے وعدہ کیا کہ میں انہیں ان کی بہن سے ضرور ملواؤں گا مگر میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا۔ آئی تو اب ہمارے درمیان نہیں رہیں اور مجھ میں ہمت ہی نہیں ہے کہ مام کو بتاؤں کہ ان کی بہن ان سے دھک کر بہت دور چلی گئی ہے جن سے ملنے کی مام کو آس ہے وہ اب ان سے کبھی نہیں مل سکتیں جس چھوٹی بہن کو وہ بہت چاہتی تھیں۔“

”بس..... بار بار محبت اور چاہت کا نام نہ لیں آپ کی مام میری مام سے محبت نہیں کر تیں ورنہ یہ دنیا اتنی بڑی نہیں ہے کہ انہیں ڈھونڈا ہی نہ جاسکتا ہو جبکہ آپ کی مام یہ بھی جانتی تھیں کہ مام لاہور میں رہتی ہیں۔“ وہ بہت زور سے چیختی تھی۔

”تم غلط سوچ رہی ہو فرخ! اور مام نانا جان کی وجہ سے مجبور تھیں نانا جان نے مام اور ماموں جان کو اپنی قسم دی تھی۔“ وہ جلدی سے بولا تھا۔

”ایسی کسی قسم تو خیل شاہ! کے اپنی بہن کی محبت ہی دل سے مٹا ڈالی اسے ڈھونڈنے کے لئے نہ تو کوئی کوشش نہیں



کی۔ آنسو ایک بار پھر بہہ نکلے تھے۔

اسے اپنی مام سے بہت محبت تھی وہ زمین اور ابرار شاہ کا اکلوتا بیٹا تھا اور منصور شاہ (نانا جان) کو بھی اپنے اس نواسے سے بہت محبت تھی کیونکہ وہ زمین کا اکلوتا بیٹا تھا۔

☆.....☆.....☆

”زمین! تم ورلڈ فور سے کب آئیں؟“ اپنے روم میں جاتا ہوا زقیان پکن میں کام کرتی زمین کو دیکھ کر بولا تھا۔

”لگتا ہے اپنی زبان وہیں چھوڑ آئی ہو میں تم سے آ کر نمٹتا ہوں میرے لئے مزید اسی چائے بناؤ جب تک میں چہچہ کر لوں۔“ کوئی جواب نہ پا کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ پلٹی تھی جسے وہ زمین سمجھ رہا تھا وہ بطریقہ تھا جو سفر فیصل کی خراب طبیعت کی وجہ سے فرخ کے کہنے پر یہاں آ گئی تھی اور پکن میں کھڑی ان کے لئے سوپ بنائی تھی کہ زقیان آفس سے جلدی آ گیا بطین نے کانپتے ہاتھوں سے چائے بنانے کے لئے رکھی اور یہاں سے بھاگ جانے کا سوچنے لگی کہ آواز پر ٹھٹک گئی۔

”تیرا مکھڑا حسین جادو کر گیا! یہ دل لے گیا میری جان۔“ زقیان اس کے سر پر چپت لگاتا دھپ سے کاؤنٹر پر بیٹھ گیا اور سب اٹھا کر کھانے لگا۔

”کیسا رہا تمہارا نور اور شجاع کہاں ہے اکیلی آئی ہو تم..... ہمارے پکن میں کیا کر رہی ہو؟“ بطین کب تک پیٹھ موڑے کھڑی رہ سکتی تھی اس کا چہرہ دیکھتے ہی زقیان حیرت سے چلایا تھا۔

”آئی ایم سوری مجھے لگا زمین ہے تمہارا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا اور یہی تو میں سوچ رہا تھا کہ زمین اور اتنی دیر خاموش رہ جائے امپا سبل!“ زقیان اس کے گلابی چہرے کو دیکھتے ہوئے غصے سے مکر رہا تھا۔

”ماما! اب کسی طبیعت ہے میں نے فون کیا تو ماما کہنے لگیں مجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ان کی بیٹی آگنی ہے میں سمجھا زمین آگنی ہے ابھی سے میری ماما کو اپنے قابو میں کر لیا ہے۔“

”میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔“ وہ اس کی نظروں سے گھبرا کر بے ساختگی میں بولی تو زقیان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا بطین نے جھینپ کر چائے کپ میں ڈالی فریج میں سے کتاب اور رول نکال کر وہ فرانی گرچکی تھی ڈانٹنگ ٹیبل پر رکھ کر اس کی جانب گھومی جو اس کی گھبراہٹ ملاحظہ کر رہا تھا۔

”چائے پی لیں ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ اسے مخاطب کیا تھا۔

”تم خود کہاں جا رہی ہو چائے نہیں پیو گی؟“ ”آپ شروع کریں میں غلیش کو اٹھا دوں۔“ وہ مسز فیصل کے روم میں سو رہی تھی وہ روز دوپہر کا کھانا کھا کر سوتی تھی اور باہمی کے اٹھانے پر ابھتی تھی۔

”مجھے اکیلے چائے پینے کی عادت نہیں ہے۔“ شام کی چائے میں مسز اینڈ مسز فیصل اس کا ساتھ دیتے تھے۔ بطین کچھ کہے بغیر جیسر کھسکتی کر بیٹھ گئی اور چائے کا کپ اٹھا کر سپ لینے لگی اس نے رول اور کتاب کی طرف زقیان کے کہنے پر بھی ہاتھ نہیں بڑھایا تھا زقیان نے دو کتاب اور ایک رول بڑی رغبت سے کھایا تھا اور گاہے لگا ہے اس کے سرخ پڑتے چہرے پر بھی نگاہ ڈال رہا تھا وہ کنفیوژسی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

”گڈ ایونگ پرینی گرل!“ زقیان اسے مزید ستانے کا ارادہ ترک کر کے اٹھا اسی وقت غلیش ڈانٹنگ ہال میں آنکھیں ملتی ہوئی آئی تھی اور وہ واپس بیٹھ گیا۔

”بجیا! پلیز جلدی سے کچھ کھانے کو دے دیں سخت بھوک لگ رہی ہے۔“ غلیش نے زقیان کے بریلر والی چیئر سنبھال لی۔ غلیش کی بات پر بطین نے اسے حسمکین نگاہوں سے گھورا۔

”آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟ بھوک لگ رہی ہے تمہی تو کہہ رہی ہوں۔“ غلیش کے معصومیت سے کہنے پر وہ گڑبڑاتی تھی اور زقیان اپنا قہقہہ نہیں روک سکا تھا۔

”آپ کی بجیا کا کھانا مانگنے پر ایسا برابری ایکشن ہوتا

ہے تو میں تو قسم سے بھوکا ہی مر جاؤں گا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے زقی! بجیا روز شام کو مجھے خود ہی جانے کیا کیا کھلائی رات ہی اور اب میری عادت ہو گئی ہے اور شاید بجیا.....“

”چپ کر جاؤ غلیش! تمہیں کسی کے گھر آنے جانے کی تیز نہیں ہے، کسے منہ اٹھا کر کھانے کو مانگ رہی ہو۔“ بطین غصے سے چیئر دھکیلتی پکن میں جانے لگی۔

”پلیز بطین! کیسی غیروں والی بات کر رہی ہو یہ غلیش کا اپنا گھر ہے اور تم ہمیں اتنا ہی اجنبی سمجھتی ہو تو پھر کیوں ماما کی بیماری کا سن کر یہاں چلی آئیں۔“

”آپ بجیا کو نہ ڈانٹیں، غلطی میری ہی ہے۔“ غلیش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور وہ بہت شرمندہ لگ رہی تھی۔

”میں تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔“ وہ کہہ کر رکائیں اور اپنی مام کے روم کی جانب بڑھ گیا۔

”آئی ایم سوری غلیش! میں نے سوچا تمہارے اس طرح کہنے سے زقیان جانے کیا سوچیں۔“ وہ شرمندہ سی تھی۔

”اٹس اوکے بجیا! مگر وہ تو میرے بارے میں کچھ سوچنے کی بجائے لگتا ہے آپ سے ناراض ہو گئے ہیں۔“

”تم! یہ رول اور کتاب کھاؤ جب تک میں چائے گرم کرتی ہوں۔“ بطین اسے جواب دے بغیر مصروف ہو گئی۔

”ماما! اٹھ گئی تھیں غلیش؟“ مثبت جواب پا کر سوپ باؤل میں نکال کر ٹرے میں رکھا اور دوپہر دست کر کے ان کے روم کی جانب وہ بڑھنے لگی، غلیش وہیں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔

”کھینکس بیٹا! تم فضول میں میری وجہ سے پریشان ہوئیں۔“

”ایسے کیوں کہہ رہی ہیں؟ کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں؟“

”میں تمہاری پریشانی کے خیال سے کہہ رہی تھیں







نفرت ہے اور مجھے اس دنیا میں کسی سے محبت ہے تو وہ صرف میرے بابا جان ہیں۔ انہوں نے جس شخص کی خاطر بنی کوئیں جیسا تھا اپنے خون کی پروا نہیں کی تھی تو اسی احمد خان کے خون کی کہاں پروا کریں گے۔ میری مام کو بابا سے محبت کی سزا آپ نے مام کو خود سے جدا کر کے دی تھی بابا سے محبت کرنے کی مجھے کوئی سزا دیں گے۔ اس کا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا تھا۔

”میں کسی کو کیا سزا دوں گا بیٹا! سزا تو میرے کئے کی مجھے میری بیٹی جاتے جاتے دے گئی ہے اور بیٹا میرا جرم صرف اتنا ہی تھا کہ اپنی بیٹی کو بہت جاہتا تھا اور میرا کرتا تھا کہ وہ میری خاطر احمد خان سے شادی نہیں کرے گی میری دی ہوئی زبان کی لاج رکھے گی۔ مگر اس وقت باپ کی محبت پر ایک اجنبی کی محبت جسے وہ فقط دو سالوں سے جانتی تھی غالب آگئی تھی۔ اس نے میری غصے سے کئی بات پکڑ لی اور باپ کو چھوڑ کر احمد خان کا ہاتھ تمام لیا جو میری اتنا اور غیرت پر ایک تازیانہ تھا بعد میں وہ بہت بالو آئی میری دلہیز تک مگر میں نے اسے اپنی دلہیز پار نہیں کرنے دی۔“

”آپ کو اگر میرے بابا جان پسند نہیں تھے تو آپ انہیں انکار کر دیتے کیوں آپ نے ایک فضول سی کڑی شرط رکھی؟ باپ اور محبت میں سے کیوں ایک کو چننے کے لئے کہا؟ مگر آپ کی شرط نے انہیں توڑ دیا اور وہ وہ کر بیٹھیں جو نہیں کرنا چاہتی تھیں اور میرے بابا تو اس شرط کو جانتے ہی نہیں تھے جب آپ نے دیے میں شرکت نہیں کی جب انہیں پتا چلا اور وہ مام کو آپ کے پاس لے کر آئے آپ نے انہیں نکال دیا بابا جان سے مام کی شادی کرنے سے بہتر تھا آپ میری مام کو جان سے مار دیتے وہ بابا کو پا کر بہت خوش تھیں اور آپ کو کھوکھو کرے حد اداس اور آپ کے دکھ اور بابا کے ساتھ کی خوشی نے انہیں بہت عجیب بنا دیا تھا روتے روتے کوئی یاد انہیں ہنسا دیتی تھی تو ہنسنے ہنسنے رو پڑتی تھیں بہت کچھ تھا مام کے پاس مگر آپ کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اندر سے خالی تھیں ان کے فیصلے نے آپ کا مان توڑا تھا تو آپ کی ضد نے انہیں ہی توڑ چھوڑ کر

رکھ دیا تھا میں گواہ ہوں اپنی ماما کی اداسی کی وہ مجھ سے اپنی ہر بات شیئر کرتی تھیں مگر کبھی آپ کا ایڈر نہیں دیا وہ کہتی تھیں فخر! مجھے بابا جان بہت چاہتے تھے مگر جب انہوں نے شرط میرے سامنے رکھی تو میں نے ضد میں آ کر مان لی اور مجھے یقین تھا میرے بابا مجھے معاف کر دیں گے وہ میرے بغیر نہیں رہ پائیں گے مگر انہوں نے مجھ سے ہرنا تا توڑ لیا وہ مرے دم تک میری شکل نہیں دیکھنا چاہتے اور میں اپنے رب سے دعا کرتی ہوں فخر کہ مجھے اپنے پاپا سے پہلے ہی موت آ جائے میں نہیں چاہتی کہ کبھی میرے بابا جھوٹے پڑیں انہیں اپنی قسم توڑنا پڑے۔“ فرخ اپنی مام کے الفاظ بہت روتے ہوئے ٹوٹے ہوئے شکستہ لہجے میں دہرا کر خاموش ہو گئی تھی کمرے میں موجود ہر شخص کی آنکھ نم تھی۔

”فرخ بیٹی! اپنے گناہ گارنا جان کو معاف کر دو۔“ منصور شاہ ہاتھ باندھے گلو گھر لہجے میں بولے فرخ نے بہت توبہ کر ان کے ہاتھ کو لے اور ان کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی اس کی سسکیاں تھمتے میں نہیں آ رہی تھیں۔

”آپ اچھے نہیں نانا جان! آپ نے مام کے ساتھ تو جو کیا وہ کیا مگر ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا ہم نہضالی رشتہ داروں کو ترستے رہے۔ لیکن یہ بیار بھری چھایا ہمیں نہیں ملی۔ نانا جان! جب مام اور بابا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تو ہم ایک دم اکیلے پڑ گئے توبہ کر دتے تھے مگر کوئی اپنا نہیں تھا جس کی پناہوں میں ہم خود کو محفوظ سمجھتے۔ مجھے اپنے تحفظ کے لئے اپنی پہچان بدلنا پڑی۔ آپ کے ہوتے ہوئے بھی ہم ایک سائبان کے لئے توڑے جھکتے پھر رہے تھے کیوں نانا جان کیوں آپ نے اپنی بیٹی کو خود سے الگ کیا اگر وہ غلطی پر تھیں تو کیوں آپ نے انہیں نہیں سبجھا یا اسے اس کے حال پر کیوں چھوڑ دیا؟“ فرخ ان کے سینے سے لگی دکھ سے شکوہ کر رہی تھی پھر ان سے الگ ہوتے ہوئے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بیار سے انہیں دیکھتے ہوئے بہت مان سے کہنے لگی۔

”نانا جان! آپ مجھے تو چھوڑ کر نہیں جائیں گے میں

لعلی کروں ناں نانا جان تو آپ مجھے خوب ڈانٹیں گے بلکہ مجھے مارے گے مگر مجھے اب کبھی تجا نہیں کیجئے گا انہوں نے دور ہو کر نہیں جپا جاتا نانا جان! مجھ سے وعدہ کریں مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔“ منصور شاہ نے اس کے ماتھے پر ہاتھ دیا اور اپنی ہاتھوں میں اس کے تپتے وجود کو سولیا اور انہیں لگا جیسے برسوں بعد انہوں نے اپنی شرمین کو سینے سے لگایا ہوا ان کے ایک غلط فیصلے نے کتنی زندگیاں برباد کی تھیں اور اب بیٹی کی بیٹی کو سینے سے لگائے آئندہ ایسی کوئی لعلی نہ کرنے کا عہد کرتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆.....☆

”مراد خان! بطینہ کا ہاتھ چھوڑ دو رنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ فرخ اور بطینہ، تنویل شاہ کے ساتھ شاہچنگ لے آئی تھیں (ایک ہفتہ بعد بطینہ کی رخصتی تھی) تنویل شاہ کسی دوست کے ساتھ گیا تھا اور وہ دونوں خریداری کر رہی تھیں کہ اچانک مراد خان ان کے سامنے آ گیا اور بطینہ کا ہاتھ تمام کر دہاں سے لے جانے لگا تو فرخ راہ میں آئی اور اسے روکنا چاہا۔

”تم لوگ کیا سمجھتیں تھیں مجھے جو کہو دے کر بھاگ لگو گی آج تم لوگوں سے میں اپنی ہرے عزتی کا بدلہ لوں گا۔“ مراد خان پہلک بلیک بلیک کا خیال کے بغیر نفرت سے بولا اور ہیٹ سے پہل نکال کر فرخ کی جانب تانی تھی اور وہی ہوئی بطینہ کو گھسنے لگا تھا سارے لوگ ڈر کر دور ہو گئے تھے اور خاموشی سے تشاؤ دیکھ رہے تھے۔

”تنویل! اسے روکو یہ بطینہ کو کہاں لے جا رہا ہے؟“ (رخ جلدی سے تنویل تک آئی تھی۔)

”مراد خان! لڑکی کو چھوڑ دو۔“ تنویل آگے بڑھا۔

”دور رہو رنہ گولی چلا دوں گا۔“ اس نے بطینہ کی گالی پر پہل رکھی اور ان دونوں کو آگے بڑھنے سے روکا اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔ فرخ نے ادھر ادھر کی باتیں سے دیکھا اس کی نگاہ بطینہ کے ہاتھ سے گرے ایک بیگز پر پڑی کپڑے اور کاٹیکس کی اشیاء بکھری

پڑی تھیں اس نے جھک کر میک اپ بس اٹھایا اور مراد خان کے دائیں ہاتھ کا نشانہ لیا پہل اس کے ہاتھ سے گری جسے فرخ نے لپک کر اٹھایا اور مراد خان پر تان لی تو وہ گھبرا گیا۔ تنویل شاہ نے بطینہ کا ہاتھ اس سے چھڑایا جو خوف کے مارے پیلا پڑ گیا تھا۔ کیونکہ فرخ کی انگلی ٹریگر پر تھی۔

”فرخ! فخر پلیر گولی نہ چلانا۔“ بطینہ چیخی۔

”پلیر فرخ! چھوڑ دو اسے۔“ تنویل شاہ بھی اس کے جارحانہ تاثرات سے خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔

فرخ نے گولیاں پھینکیں پر نکال لیں اور خالی پہل مراد خان کو کھینچ کر ماری جو ڈرائیونگ ڈور کھول کر بیٹھنے کو تھا اس کے سر پر گئی تھی وہ گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔

”پلیر بطینہ! چپ ہو جاؤ کچھ اپنی اس بھادر بہن سے بھی سیکھو مجھے تو ایک لک لگا تھا مراد خان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا مگر داد دینی پڑے گی آپ کی بہن صاحبہ کی بھادری کی کیسے اسے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔“ تنویل شاہ اسے شکاک سے باہر نکالنے کے لئے ملے پھٹکے انداز میں بولا جبکہ وہ بھی آج فرخ کی بھادری کا قائل ہو گیا تھا جو کام وہ خود بھی نہیں کر پایا تھا وہ اس نازک سی لڑکی نے کر دیا تھا اس میں اچانک نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آگئی تھی کہ وہ یہ سب کر بیٹھی۔

”فرخ بھو! آپ نے واقعی اس غنڈے کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔“ احمر (انوار ماموں کا بیٹا) بہت حیرت زدہ تھا۔

”یار! تم ہوتے تا تو دیکھتے تمہاری بھو ایلڈم“ جینک چین“ لگ رہی تھیں۔ تنویل شاہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھی فرخ کو دیکھتا کرتا ہوا بولا تو سب ہی ہنس پڑے۔

”احمر! اچھا وا تم وہاں نہیں تھے ورنہ اپنے بھائی صاحب (تنویل) کو احمر اور اس کی دونوں بہنیں جو شادی شدہ اور تنویل سے چھوٹی تھیں بھائی صاحب کہتی تھیں) کو بزدلوں کی طرح کھڑا دیکھ کر یقیناً افسوس کرتے۔“ فرخ اسے گھورتے ہوئے طنز سے بولی تو ایک بار پھر سب کے



لیوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

”فرخ! آؤ تمہارے ہاتھ پر مہندی لگا دوں۔“ ارم (انور کی ماسوں کی بیٹی) مہندی کی کون پکڑے بہت پیار سے کہہ رہی تھی۔

لاؤنج میں منصور شاہ تنویل شاہ فرخ اور اصر تھے اور ارم اپنے روم سے آئی تھی باقی سب اٹھ گئے تھے۔

”نہیں پلیز ارم! رہنے دو میں مہندی نہیں لگاتی۔“ فرخ ٹی وی پر سے نگاہ ہٹا کر بے زاری سے کہہ رہی تھی۔

”گلو بیٹا! لڑکیوں کے ہاتھوں میں مہندی بہت جتنی ہے۔“ منصور شاہ بہت شفقت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”نانا جان! انہیں مہندی نہیں دگ اور وارمی مومچھ لگانے کا بہت شوق ہے یہ کوئی سنڈریا نہیں شاہ رخ خان ہیں۔“ تنویل شاہ کا انداز شرارت لئے ہوئے تھا۔

”اے مسٹر! ہو گئے تم“ شاہ رخ خان“ اور نانا جان دیکھیں اپنے نواسے کو میری مجبوری کا مذاق اڑا رہا ہے۔“ وہ اس کو سناتے ہوئے منصور شاہ کے پاس گھس کر بیٹھ گئی اور اس کی شکایت کرنے لگی۔

”ارے کہاں فرخ! میں تو سچائی بتا رہا ہوں لڑکا بن کر تم کیا غضب کی گئی ہو۔“ تنویل نے اسے دیکھا وہ منصور شاہ کے پاس وائٹ ٹراؤزر اور پنک شرٹ میں بیٹھی اس کو غصے سے گھور رہی تھی۔ اسی وقت زمیں شاہ واپس لوٹی تھیں اصر اور ارم باہر چلے گئے تھے۔

”کیا ہوا زمیں! کس کا فون تھا؟“ منصور شاہ نے پوچھا۔

”بابا جان! مسز ولید کا تھا وہ اپنے بیٹے کے لئے فرخ کا ہاتھ ماسا جاتی ہیں۔“ زمیں شاہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بتایا اپنی مام کی بات پر تنویل شاہ نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

”پھر تم نے کیا کہا؟“ منصور شاہ نے نواسے کی اتری شکل دیکھ کر دوپٹے کی غاہری تھی۔

”میں کیا کہتی بابا جان! میرا تو ارادہ ہی کچھ اور تھا۔“

زمیں نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر فرخ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم مسز ولید کو بلاؤ فرخ لڑکے کو دیکھ لے گی آخری فیصلہ اسی کا ہوگا۔“ ان کی بات پر فرخ نے ان پر نظر ڈالی۔

”نہیں نانا جان! آخری فیصلہ آپ کا ہوگا“ آپ میرے لئے جس لڑکے کو پسند کریں گے میں اسی سے شادی کروں گی۔“ فرخ نے پیار سے ان کے ہاتھ تھامے اور مان سے بولی۔

”پھر کیا خیال ہے تنویل؟“

”کیوں مروا ہے جس نانا جان! آپ کو اور کوئی لڑکی نہیں ملی جو میری اس جگہ لڑکی سے شادی کروا رہے ہیں۔“

”بکواس نہیں تنویل! شرافت سے بتاؤ وزنہ میری نواسی کے لئے اچھے رشتوں کی کوئی کی نہیں ہے۔“

”ایسا کریں نانا جان! اپنے شرافت کی کسی شریفی سے شادی.....“ زمیں نے اس کے ایک دھپ لگائی تو وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

”زمیں! ابھی فون کر کے مسز ولید کو فائل جواب دے دو۔“

”ارے نہیں نانا جان! کیسی باتیں کرتے ہیں میں تو مذاق کر رہا تھا“ گھر کے بیچے گھر ہی میں سیٹ ہو جائیں تو بہتر ہے۔“ منصور شاہ کے فیصلے پر وہ گھبرا کر مدبرانہ انداز میں بولا تو ان دونوں (منصور شاہ اور زمیں) کے ساتھ فرخ کے لیوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی تو تنویل شاہ جھینپ گیا۔

”اب آیا ہے لائن پر اس نے تمہیں بہت ستایا ہے تم بھی بہت جلانے کے بعد ہی اقرار کرنا۔“ منصور شاہ کے شرارت سے سرگوشی کرنے پر تنویل نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”تمہاری ماں کی خواہش میرے فیصلے نے پوری کر دی تھی مگر اس کی خوشی ادھوری تھی مگر تمہیں مکمل خوشیاں ملیں گی۔“ منصور شاہ دھیرے سے کہتے جانے کو اٹھ گئے

ساتھ ہی زمیں شاہ بھی اٹھ گئیں۔

”نانا جان! میرے دل کی بات جان گئے جبکہ میں نے ابھی خود سے ہی اپنے دل کی بات نہیں کہی تھی۔“ اس نے حیرت و خوشی سے سوچا۔

”تم کہاں چلیں؟ کچھ وقت نانا جان کے نواسے کے ساتھ بھی گزرارو“ مسز فرخ۔“ تنویل شاہ نے شرارت سے اس کی لٹ پینچی تھی۔

”آپ مجھے بار بار“ مسز“ کیوں کہہ رہے ہیں؟“ وہ تنگی تھی۔

”تم لگ بھی تو پوری“ مسز چار سو میں“ رہی ہو۔“ تنویل شاہ نے اس کی ڈرینگ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے چوٹ کی تھی۔

”میں ہمیشہ سے ہی ایسے پکڑے پہنتی ہوں آپ کو کیا اعتراض ہے؟“

”اب تک تو ٹھیک تھا مگر شادی والے دن میں نے تو کسی لہجہ کو جیجز اور ٹی شرٹ میں نہیں دیکھا۔“ وہ اب مسکرا رہا تھا۔

”میری مرضی میں اپنی شادی میں لہجہ پہنوں یا جیجز.....“

”کیسے تمہاری مرضی بے شک پہنوں گی تم مگر دیکھوں گا تو میں.....“ فرخ نے اسے دیکھا جو پیار سے اسے دیکھتا ڈو معنی انداز میں کہہ رہا تھا اس کی پلکیں آپ ہی آپ جھپکتی چلی گئیں۔

تیرے چہرے پر جو رنگ حنا ٹھہر جائے تو سانس وقت سمندر ہوا ٹھہر جائے

تنویل شاہ اس کے خوبصورت چہرے کو اپنی نگاہ کے حصار میں لئے دائرگی سے ایک جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ کچھ لمحے یونہی خاموشی سے سرگئے فرخ جھپکی سے بھاگ جانے کو تھی کہ ایک بار پھر تنویل شاہ کی آواز نے قدم روک لئے۔

”بہادر صاحب! ایک دفعہ تو اپنے دل کی بات کہنے کے لئے بہادری کا مظاہرہ کیجئے۔“ تنویل شاہ شرارت سے

پر لہجے میں پکارا تھا۔

”آپ کب تک مجھے صاحب اور مسٹر کہہ کر شرمندہ کرتے رہیں گے۔“

”شاید ساری زندگی.....“

”اور اگر میں موقع نہ دوں تو.....“ اسی کا انداز اپنایا گیا تھا۔

”اچھا کیا کرو گی“ مجھ سے شادی سے انکار کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں ڈوے گا وہ دل کہاں سے لاؤ گی جس میں تنویل شاہ کی شبیہ نہ ہو۔“

”جہاں سے آپ مجھے ستانے اور پشیمان کرنے کے لئے دوسرا دل لینے جا میں گے“ میں بھی ساتھ جا کر دوں سے آپ کی طرح دوسرا دل لے آؤں گی۔“ تنویل شاہ اس کی حاضر جوابی پر دل کھول کر ہنسا تھا۔

”سیانے کہتے ہیں ڈچین بیوی خطرے کی علامت ہوتی ہے اور تنویل شاہ اس خطرے میں ڈوبنے کو دل و جان سے تیار ہے۔“ تنویل شاہ نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط مردانہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

”فرخ! اپنے ان نازک ہاتھوں میں کیا میرے نام کی مہندی لگاؤ گی؟ اپنے وجود سے کیا میرا گھر آباد کرو گی؟“ ایک مان سے سوال کیا تھا۔

”سوچوں گی۔“ کنفیوژ ہونے کے باوجود بے رخی سی برتی تھی۔

”ادھر دیکھو فرخ! میری آنکھوں میں سوچنے میں مدد ملے گی۔“ فرخ اس کی خوبصورت آنکھوں میں زیادہ دیر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

”میں تم سے شادی..... کرنے کے لئے راضی ہوں۔“ فرخ شرارت سے اسے دیکھتی ہوئی یہ کہتی چھپاک سے باہر نکل گئی تنویل شاہ دل سے مسکراتے ہوئے نانا جان کو بتانے کے لئے ان کے روم کی طرف بڑھ گیا۔

زندگی کی آزمائش ختم ہو چکی تھیں بہت خوبصورت سی زندگی ان سب کی منتظر تھی۔

☆☆☆☆☆